Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جدائی کے دوران دوبارہ ایک لاحاصل، تصوراتی محبوبہ، اَور اب؟؟ ایک جسمانی کشش رکھنے والی، اِنتہائی ذہین، سیدھی، سادی عملی عورت تھی، جس کے اَندر کسی تاریکی کسی خطرے، کسی بدعنوانی کا اِسرار نہ تھا اَور وہ عورت سوال پُوچھ رہی تھی۔

یہ عورت، سرفراز نے سوچا جس کی اَپنی حقیقت کے اَندر اخلاص ہے، مجھ سے میری حقیقت معلوم کرنا چاہتی ہے۔ میں اِس کو کیا بتاؤں؟ کیا میں اِسے بتاؤں کہ جب حقیقت بے اصل ہو گئی تھی اُس وقت میں وہاں پہ موجُود تھا؟ جب ایک یونیورسٹی ہوسٹل میں داخل ہو کر اٹھارہ استادوں اَور طالبعلموں کا صفایا کر دیا گیا تھا تو میں وہاں پہ موجُود تھا؟ یہ عورت میری حقیقت کو کیسے جان سکتی ہے؟ ہاں، کچُھ لطیفہ گوئی کی باتیں بتا دوں گا۔

"پھر بتاؤں گا،" سرفراز نے کہا۔

"پھر، پھر، پھر! پھر کب بتاؤ گے؟"

"پھر کبھی۔۔۔۔"

نسیمہ خاموش ہو رہی۔

میری حقیقت، سرفراز نے سوچا، خُود مجُھے معلوم نہیں۔ دو برس تک میرے دِل کا راز نسیمہ کا ہیولا تھا جو تصور میں اُجالے کی مانند پھیلا، زندہ رہنے کی قوت عطا کرتا رہا تھا۔ اب جو اُس کا بولتا چالتا ہُوا بدن میرے سامنے ہے تو اجالا ماند پڑ گیا ہے۔ یہ کیا ظلم ہے؟ دِل کی اِس وحشت کا کیا کروں؟؟

"ایک بات بتاؤں؟" نسیمہ نے کہا۔

"بتاؤ۔"

"مجُھے بتانی تو نہیں چاہیئے۔"

"کیوں؟"

"میں نے رازداری کی قسم کھائی ہے۔ مجھے گناہ ہو گا۔"

"میں گناہ اَپنے سر لیتا ہوں۔"

"گناہ ٹرانسفر نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"کیسے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تُمہیں حکم دے رہا ہوں، تعمیل کرنا تُمہارا فرض ہے۔"

"واہ، میں کوئی تُمہاری سکینڈ لفٹننٹ ہوں؟"

"تُم میری اسسٹنٹ ہو۔"

"جاؤ جاؤ، میں کسی کی اسسٹنٹ نہیں ہوں۔"

"اچھا اب بتا بھی دو۔"

"پہلے وعدہ کرو کہ کسی کو بتاؤ گے نہیں۔"

"کیا؟"

"جو کُچھ میں کہوں گی۔"

"پہلے بات تو بتاؤ۔"

"پہلے وعدہ کرو۔"

"ٹھیک ہے، وعدہ کرتا ہوں۔"

"شبو اَور شرفی اَور دُوسروں نے آج رات کو تُمہارے لئے سرپرائز پارٹی رکھی ہے۔" الفاظ ہتھوڑے کی مانند سرفراز کے دماغ پہ لگے۔

"کیوں؟" بے اختیار ہو کر اُس نے پُوچھا۔

"کیوں کا کیا مطلب؟"

"کس لئے، کیوں؟"

"تُمہارے آنے کی خُوشی میں، اَور کس لئے؟"

"خوشی میں؟ کیسی خُوشی میں؟ میں کوئی پارٹی وارٹی نہیں چاہتا۔"

نسیمہ متعجب ہو کر اُس کا مُنہ دیکھنے لگی۔ الفاظ جو سرفراز نے ادا کئے تھے بے ارادہ اُس کے مُنہ سے نِکل گئے تھے، مگر اُن کے اَندر سے ایک حقیقت برآمد ہُوئی تھی۔ "ویل ڈن!" بریگیڈیئر کرار کے یہ دو الفاظ سرفراز کے لاشعور کے کسی گوشے میں مُستقِل کھٹکتے رہے تھے اَور اِس وقت وہ بے ساختہ الفاظ میں یُوں ظاہر ہُوئے تھے کہ اُسے بھونچکا کر گئے تھے۔ "ویل ڈن--- شاباش!" اب اُسے اِس حقیقت کا یہ علم ہوا کہ بریگیڈیئر صاحب کے اِن الفاظ کے جواب میں ایک خاموش چیخ،---- "کیسی شاباش؟"---- گردش کرتی رہی تھی جس کے اظہار کی اُس میں اِستطاعت نہ تھی، مگر جو اَندر ہی اَندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کانٹوں کی مانند اُس کی روح پہ خراشیں ڈالتی ہُوئی گھُوم رہی تھی اَور تھمنے میں نہ آتی تھی، جیسے کہ اُس کا خُون خراب ہو چُکا ہو۔

"تُم شام کو گاؤں جانے کا ارادہ کر رہے تھے،" نسیمہ آہستہ سے بولی، "اس لئے میں نے سوچا کہ بتا دوں۔ لالہ اعجاز شاید ابھی آئے، اُسے تُمہاری اِطلاع ہے۔ پارٹی وارٹی نہیں، بس تُمہارے دوست آکر اِکٹھے ہوں گے۔"

اپنے آپ سے کچُھ دیر جدوجہد کرنے کے بعد سرفراز اَپنی حالت پہ قابو پانے میں کامیاب ہوگیا۔ سَاتھ ہی معاملات کو سنبھالنے کی قدرتی خواہش اُس کے اَندر لوٹ آئی۔ اُسے اعجاز، سکینہ، حسن، حسین اَور اَپنے گاؤں کی یاد بری طرح ستانے لگی۔ اَپنا گھر اُس کے تصور میں ایک ایسی پناہ گاہ کی صورت میں ابھر کر آیا جہاں اُس کے دِل کے رخنے پُر ہونے کا اِمکان موجُود تھا۔

وہ وہیں پہ بیٹھے تھے کہ اعجاز، حسن اَور حسین آ پہنچے۔ بھائی کو بازوں میں سمیٹ کر گلے لگاتے ہُوئے اعجاز کے آنسو بہنے لگے۔ باپ کی موت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ سرفراز نے اعجاز کو روتے ہُوئے دیکھا تھا۔ اُس نے محسُوس کیا کہ جیسے اُس کا دِل پگھل کر بہنے لگا ہے۔ وہ دیر تک اعجاز کے سینے سے لگا آہستہ آہستہ کپکپاتا رہا۔ جب جدا ہُوا تو اُس کے دِل کو عجیب سی ڈھارس مِل چکی تھی۔ اُس نے لڑکوں کو بھی گلے لگا کر، دبا دبا کر پیار کیا۔ "یہ بچو نگڑے ہیَں؟" اُس نے حیرت سے پُوچھا، "یہ تو بڑے بڑے جوان نِکل آئے ہیَں لالہ۔ اِن کا قد تو مجھ سے بھی اُوپر جا رہا ہے۔" لڑکے جو دُھلے سفید کپڑے اَور نئے جوتے پہن کر آئے تھے، شرما کر ہنستے رہے۔ کچُھ دیر تک وہ مکمل خاموشی میں بیٹھے رہے، جیسے جذبات آڑے آ رہے ہوں۔ اِسی دوان میں سب کے لئے چائے آ گئی۔ چائے پیتے ہُوئے اعجاز نے آہستہ آہستہ گھر کے حالات بتانے شرُوع کئے۔ سکینہ، چاچے احمد، عباس، جمیلہ، زمین مکان، فصل اَور کاروبار کا مختُصر ذکر کرنے کے بعد اُس نے پُوچھا، "گھر کب چل رہے ہو ـــ"

"صبح آ جاؤں گا،" سرفراز نے جواب دیا۔

"تیری صحت اچھی نہیں،" اعجاز نے کہا، "چھٹی گھر میں گزُار، کھلی ہوا میں رہ، بُوری نے کٹی دی ہے، دودھ مکھن وافر ہے، کھل کر کھا، تیری جان میں جان آئے۔ سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیری راہ تک رہے ہیں۔"

"بُوری اَور کٹی بھی؟" سرفراز نے مذاقاً پُوچھا۔

"ہاں ہاں،" اعجاز نے ہنس کر جواب دیا۔

"کٹی بھی بُوری ہے؟"

"نہیں چاچا،" حسن بولا پڑا، "کالی ہے۔"

بریگیڈیئر صاحب اَندر سے نِکل کر آئے۔ "اہا---- فیمس مین،" بریگیڈیئر صاحب نے نعرہ لگا کر ہاتھ ملایا۔

سرفراز نے سوالیہ نظروں سے پہلے بریگیڈیئر، پھر اعجاز کو دیکھا۔

"تُمہیں بھائی نے نہیں بتایا؟" بریگیڈیئر صاحب نے سرفراز سے پُوچھا۔ "کیوں ملک؟ مُجھے چھمی نے بتایا تھا، میں نے خُود نہیں پڑھا۔ اِس کے پاس پیپر ہے۔ چھمی، سرفراز کو پیپر نہیں دکھایا؟" وہ اعجاز کے کندھے پر تھپکی دے کر بولے، "فرسٹ کلاس ورک۔ کیپ اِٹ اپ۔" بریگیڈیئر صاحب نے زور دار قہقہہ لگایا۔

سرفراز ناسمجھی سے باری باری سب کو دیکھ رہا تھا۔ آخر نسیمہ نے کہا، "لالہ جرنلسٹ بن گئے ہیں۔ ایک بڑا سکینڈل ایکسپوز کیا ہے۔ ایک وِیکلی جرنل میں پوری رپورٹ لکھی ہے۔"

"کب؟ کہاں؟ تم نے مُجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"پرچہ میرے پاس پڑا ہے۔ پڑھ لینا۔"

"لالہ، تم نے بھی نہیں بتایا۔"

"ساری باتیں کیا ایک دم بتا دوں؟ اعجاز ہنس کر بولا۔ "گھر آؤ گے تو پھر کیا باتیں کریں گے؟"

"یس، یس،" بریگیڈیئر صاحب بولے، "کیپ سم بیک، کیپ سم بیک۔ گڈ پالیسی۔"

"چاچا، ابے کی تصویر بھی اخبار میں آئی تھی،" حسن بول اُٹھا۔

"اچھا؟ رپورٹ کے ساتھ؟"

"نہیں بھئی، نور پور کی لوکل اخبار نے خبر دے کر تصویر چھاپ دی تھی۔ میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رپورٹ تو ایک نئے ہفتہ وار پرچے میں نِکلی ہے۔"

نسیمہ اَور بریگیڈیئر کرار کے اِصرار کے باوجُود اعجاز کھانے کے لئے رُکنے پر راضی نہ ہوا۔ "پیچھے کام بہت ہے۔ میرا جانا ضروری ہے۔ کل تو تم آ ہی رہے ہو،" اُس نے سرفراز سے پُوچھا۔

"ہاں ہاں۔"

اعجاز ایک بار پھر اُسے دیر تک سینے سے لگائے کھڑا رہا۔ سرفراز نے محسُوس کیا کہ اُس کے اَور دُنیا کے درمیان جو فاصلہ حائل ہو گیا تھا وہ اعجاز کے سینے میں سمائے جاتا تھا۔ وہ بھی اعجاز کے سینے سے چمٹا کھڑا رہا۔

"ملک، تمُہارا گڑ روز کھاتا ہوں،" بریگیڈیئر کرار نے باآواز بلند کہا۔ "کسی اور کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا۔ میرے ہاضمے کے لئے بہت مفید ہے۔"

"ہماری خُوش قسمتی ہے بریگیڈیئر صاحب،" اعجاز نے کہا۔ "آپ کا سرٹیفکیٹ مل جائے تو اور کیا چاہئے۔"

"مل گیا، مِل گیا" بریگیڈیئر صاحب قہقہہ لگا کر بولے۔ "تھینک یو، اَینی وے۔"

دونوں لڑکے شلواروں کے پائنچے اُٹھ کر اعجاز کے پیچھے موٹر سائیکل پر اٹک گئے۔ پھر اعجاز ہاتھ ہلا کر وہاں سے رُخصت ہُوا۔ اُس کے جاتے ہی اعجاز نے نسیمہ سے "بہ بانگ دُہل" کا پرچہ لیا اَور ایک ہی نظر میں اعجاز کی رپورٹ پڑھ ڈالی۔ جب اعجاز کی سکول ماسٹری چھوٹی تھی اُس وقت سرفراز بہت چھوٹا تھا۔ اُس کے بعد اعجاز لیبر یونین کے کاموں میں مصروف ہو گیا، اَور گو سرفراز نے لڑکپن میں اُس کی ایک آدھ تقریر سنی تھی، مگر اعجاز کے قلم کی تحریر پڑھنے کا اُسے پہلی بار موقع ملا۔ سرفراز کا سینہ فخر سے پھُول گیا۔

رات کو سرفراز کے دوست جمع ہُوئے۔ شعیب، شرفی، آصف، برکی، ظفر چوہدری، اور سلطان۔ سلطان کو آزادی سے دو ماہ پہلے کسی وجہ سے دُوسرے "کیمپ" میں منتقل کر دیا گیا تھا اَور وہ اُس پہلے گروپ میں شامل تھا جو نومبر میں وطن واپس پہنچا تھا۔ سلطان سرفراز سے بیس پچیس روز پہلے لوٹا تھا اَور کھاریاں کے قریب اَپنے گاؤں میں چھٹیاں گزُار رہا تھا۔ سلطان سے اگرچہ لوگ اب قدرے خائف رہنے لگے تھے، مگر وہ سرفراز کے علاوہ اُن کے گروپ کا واحد آدمی تھا جو پی۔او۔ڈبلیو رہ چُکا تھا، چنانچہ اِس موقعہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر اُسے الگ رکھنا ممکن نہ تھا۔ آج رات کی مجلس میں اِن دوستوں کی معمول کی سرمستیاں نہ تھیں، یہاں تک کہ شرفی بھی دبا دبا تھا۔ کسی غم دُکھ کا اِظہار نہ تھا، مگر سب پر گویا متانت کی چادر پڑی تھی جیسے کسی عمر رسیدہ شخص کی موت پر ہوتی ہے۔ بیچ بیچ میں کوئی نیم مزاحیہ سی بات ہو جاتی، جس پہ ہلکی سی خُوشدلی کی لہر اُٹھتی، پھر خاموشی چھا جاتی۔ سب اَپنے گلاسوں اَور سگریٹوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ سنگترے کے رس سے بھرے جگ میزوں پہ رکھے تھے۔ اِس مجلس کے لوگ پہلے جنگی قید سے لوٹنے والے ایک دو افسروں سے مِل چکے تھے، جن میں سلطان اُن سے قریب ترین تھا، مگر کسی کے ساتھ بھی اُن کا تعلق اَیسا نہ تھا جیسا سرفراز کے ساتھ تھا۔ بریگیڈیئر صاحب بھی جنہیں ڈھنگ سے بیٹھ کر سرفراز سے بات کرنے کا موقع نہ ملا تھا، خلافِ معمول آس پاس منڈلا رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ کُرسی آگے کھینچ کر بیٹھ گئے۔

سرفراز کے ذہن کی لہر ایک آدھ چھلا کا مار کر دب گئی تھی اَور اُس کے دِل کی کثافت کافی حد تک دُور ہو چکی تھی، مگر اِس وقت وہ فیصلہ نہ کر پا رہا تھا کہ بات کہاں سے شُروع کرے۔ اُسے احساس تھا کہ اُس کے ساتھی اُس کی طویل قید کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ اُن کی توقعات کا بوجھ سرفراز پہ لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر نسیمہ تھی، جس کی سوالیہ نظریں سرفراز کے دماغ میں چھید کر رہی تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ کوئی اُس سے سیدھا سوال نہ کر رہا تھا، جیسے اُن کو سرفراز کے بارے میں کسی بات کا اندیشہ ہو۔ کئی بار سرفراز نے بات شُروع کرنے کی سعی کی، پھر رُک گیا۔ آخر ایک موقعے پر کسی کی بات پر ہنستے ہُوئے اچانک اُس نے محسُوس کیا کہ اُس کے اعصاب کا بند ڈھیلا پڑ رہا ہے۔ وہ ماحول کی خُوشدلی پہ یُوں جھپٹا جیسے ہاتھ سے نِکل گئی تو پھر قابو میں نہ آئے گی۔

"چلیئے آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں۔"

"ہاں ہاں،" دو تین آوازیں ایک ساتھ اُٹھیں۔

"یہ ایک ٹمائر کا قصہ ہے۔" وہ سلطان کی جانب دیکھ کر بولا، "تُم نے اِن کو سُنا تو نہیں دیا؟"

"بھئی سلطان تو فلسفی ہو گیا ہے،" ظفر چوہدری نے کہا۔ "سوچتا زیادہ ہے، بولتا کم ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دِس اِز ناٹ فیئر" آصف بولا۔ "ایسکیپ کی کہانی سلطان نے ہی بتائی ہے۔"

"یس،" برکی نے سرفراز کو مخاطب کرکے کہا۔ "گریٹ جاب۔ جسٹ اَن فورچونیٹ۔"

سرفراز نے ہونٹ دبا کر ہولے سے اِثبات میں سر ہلایا۔

"بلڈی اِنفارمرز،" سلطان نے دبے ہوئے غصّے سے کہا۔

سلطان کے تیور دیکھ کر آصف نے ہاتھ کھڑا کر دیا۔ شرفی نے کوئی بات شروع کی تو دو تین جانب سے "شش" کی آواز اُٹھی۔

"رولڈ گولڈ کی بات سنو یار،" برکی نے کہا۔

"ٹماٹر،" آصف گولڈ چلایا۔ "ٹماٹر سٹوری۔"

"یس یس،" سب بہ یک آواز بولے۔ "وی وانٹ ٹوماٹو سٹوری۔"

"آل رائٹ، آل رائٹ،" سرفراز نے کہا۔ "یہ ایک ایسے ٹماٹر کی سٹوری ہے جس کو کوئی چکھ نہ سکا۔"

"کیوں؟"

"وہ پودے پہ لگا لگا غائب ہو گیا۔"

"غائب ہو گیا؟"

"ہاں،" سرفراز نے کہا۔ "جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

"اُسے کوئی بکرا کھا گیا ہو گا،" ظفر چوہدری بولا۔

"شرفی تو اِدھر ہی رہ گیا تھا بھئی،" شعیب نے کہا۔ "چلا جاتا تو اَور کیا چاہئے تھا۔ چھٹکارا ہو جاتا۔"

"ہاں ہاں۔ جی ایچ کیو سے ریکویسٹ بھیج دی جاتی کہ اِسے وہیں پر رکھ لو، باقیوں کو بھیج دو۔"

"سائلینس،" برکی ہاتھ بلند کرکے بولا۔ "رائٹ، لیٹ اَس گیٹ آن وِد دی ٹوماٹو۔"

"وہ ٹماٹر کوئی جن ہو گا،" شرفی نے کہا۔

"بی کوائیٹ شرفی،" شعیب نے سختی سے کہا۔ پھر وہ سرفراز سے مخاطب ہُوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"رائٹ دی ٹوماٹو۔"

مجلس پہ خُوشگواری کا ایسا موڈ طاری تھا کہ سب لوگ بے اختیار بولے جا رہے تھے۔ وقتی طور پہ اُنہیں سرفراز کی بات سننے سے بھی سروکار نہ رہا تھا۔ ماحول کا تناؤ ختم ہوا تو ذہن اَور دہن ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ وہ لوگ جو باتیں کئے جا رہے تھے اَور دُوسرے جو انہیں چپ کرا رہے تھے، اُن دونوں کا شور یکساں تھا۔ سلطان بھی اب مسکرا رہا تھا۔ صرف بریگیڈیئر صاحب اَور نسیمہ خاموش تھے۔ بریگیڈیئر صاحب اِس سارے منظر سے محظوظ ہو رہے تھے، جبکہ نسیمہ چہرے پہ ہلکی سی بیزاری اَور بیتابی کے آثار لئے ٹک ٹک سب کا مُنہ دیکھ رہی تھی۔ اُس کی نظریں بار بار سرفراز پہ جاتیں، جیسے وہ اُس کو بات کرنے پہ اُکسا رہی ہو۔ مگر سرفراز اُس رو میں اب تن آسانی سے بیٹھا بیچ بیچ میں سب کے ساتھ بات لگا رہا تھا۔ آخر چند مِنٹ کے اضطراب کے بعد سب اطمینان سے خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

"چلو بتاؤ،" نسیمہ نے سرفراز سے کہا۔

"اپنے اَپنے ایک سو دس روپے میں سے پیسے بچا کر لوگوں نے گارڈ کے ذریعے پھُولوں اور دو ایک سبزیوں کے ذرا ذرا سے بیج حاصل کئے۔ ایک مٹر کے کے تھے، کیوں سلطان، وہ جس پَودے پہ ایک مٹر بھی نمودار نہ ہوا تھا؟"

سلطان نے لاتعلقی سے اِثبات میں سر ہلایا، گویا اُسے اِن تفصیلات سے کوئی سروکار نہ ہو۔ "اور ایک بیج،" سرفراز نے کہا، "بھلا کس کا تھا؟"

"ٹماٹر،" ایک نعرہ بلند ہُوا۔

"رائٹ۔ ٹماٹر کے پودے نِکلے مگر سب مر گئے۔"

"ہاآآآ۔۔۔۔" سوگواری کا نعرہ لگا۔

"سوائے ایک کے،" سرفراز فاتحانہ اَنداز میں بولا۔

"اوہ ہ ہ!" سامعین سے گہرے اطمینان کی سانس نِکلی۔

"وہ ایک پودا ایسا اُگا، ایسا اُگا کہ سر سے نِکلنے لگا۔ مگر۔۔۔" سرفراز رُکا۔

"مگر کیا؟" نسیمہ نے پُوچھا۔

"مگر ٹماٹر کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ ہم لوگ جو دال میں ٹماٹر ملا کر کھانے کی اُمید لگائے بیٹھے تھے اَور اَپنے خوابوں میں ٹماٹروں سے لدے ہُوئے پودے دیکھا کرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے، روز بروز مایوس ہوتے جا رہے تھے۔ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ گارڈز نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا تھا، پھُولوں کے اصلی اَور سبزیوں کے بانجھ بیج لا دیئے تھے۔"

"ہائے بے ایمان،" نسیمہ نے کہا۔

سرفراز اب پورے اعتماد کے ساتھ ایک مکمّل قِصّہ گو کی مانند کُرسی پہ جم کر بیٹھا واقعہ بیان کر رہا تھا۔ "پیشتر اِس کے ہم بالکل ہی اُمید کھو دیتے، ایک روز صبح سویرے شور ہوا کہ پودے کو ایک ٹماٹر لگا ہے۔۔۔۔"

"براوو۔" سب نے ایک ساتھ پکار کر کہا۔

جیسے جیسے سرفراز ٹماٹر اَور میجر صدیق کا واقعہ سناتا جاتا تھا، قہقہے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ سرفراز کو ایک عرصے کے بعد ایسے سامعین میسر آئے تھے جو اُس کے ایک ایک لفظ کو اُٹھا رہے تھے۔ یہ موافق ماحول اُس کی رگ رگ میں سرائیت کر رہا تھا اَور بدن کی اِتنی طویل خُشک سالی کے بعد دوستوں کی ایسی گرمجوشی سے نِکلنے کو اُس کے حواس راضی نہ ہو پا رہے تھے۔ چنانچہ میجر صدیق اَور ٹماٹر کا قصہ ختم کرنے کے ساتھ ہی سرفراز نے اِس چڑیا کی بات شُروع کر دی جو قسمت کی ماری پنکھے کے پروں میں اُلجھ کر کمرے کے باسیوں کے ہاتھوں جان گنوا بیٹھی تھی۔ قہقہوں کے شور میں سرفراز نے چڑیا کی کہانی مکمل کی ہی تھی کہ اُس انڈے کے بیان کی ابتداء کر دی جسے کمال ہوشیاری سے حاصل کرنے کے بعد اُس کی دعوت اُڑائی گئی تھی۔ ساری مجلس ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ صرف بریگیڈیئر صاحب کے مشہورِ عام قہقہے سنائی نہ دے رہے تھے۔ وہ محفل میں برابر شریک تھے، مگر خلافِ معمول ضبط کی کیفیت میں تھے۔

سرفراز دم لینے کو رُکا تو کچھ دیر کو خاموشی ہو گئی۔ اُس وقت تقریباً سب کو ایک ایسی بات کا احساس ہوا جو سب کے دِل کے اَندر پوشیدہ تھی اَور خُوش وقتی کے زیرِ زیر دبائی جاتی رہی تھی۔ سرفراز کو احساس تھا کہ اُس کے دوستوں کو اُس کی قید کے قصوں سے اِتنی دلچسپی نہ تھی جتنی اُس کی ذہنی حالت سے تھی، اَور اُن کی بیشتر خوشی کا اظہار یہ جان کر ہو رہا تھا کہ سرفراز قید کاٹ کر کم و بیش نارمل حالت میں واپس آیا تھا۔ دُوسرے لوگوں کے اَندر ایک دبا دبا احساس یہ تھا کہ وہ آخر کس بات پہ ہنس رہے تھے؟ قیدیوں کی کس مپری کی داستان پہ، یا کہ سرفراز کی باتوں کی مضحکہ خیزی پہ؟ اسی کے ساتھ ملا ہُوا اُن کے دِل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک تاثر ندامت کا بھی تھا، کہ وہ اِس جاں گسل تجربے میں شریک نہ ہُوئے تھے، دُوسروں کو آگے کرکے وہ خُود پیچھے رہ گئے تھے۔ اِس بے معلوم شرم کی مہین جھلی سارے ماحول پہ تنی تھی، جسے وہ معمولات کے اَندر گم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اِس بات کا اِدراک سرفراز کو اَپنی سرزمین پہ قدم رکھتے ہی ہو گیا تھا کہ ماضی کے حالات نے، اِن کی کارکردگی اَور دُشمن کی کارگزاری نے اُس کے دوستوں، اُس کے جانے اَور انجانے ساتھیوں کی طبیعتوں کو بدل کے رکھ دیا تھا۔ اُن کے شعور کا تانا بانا شدید دباؤ کے اَندر تھا اَور اُسے بکھرنے سے بچانے کو اُن سب کے دِل اَور دماغ ایک خاموش، اَن دیکھا واویلا کر رہے تھے۔ سرفراز کے دِل میں ایک اندیشہ راہ پا گیا تھا۔

جب ملازم نے آکر کھانا لگنے کی اطلاع دی تو نسیمہ اُٹھنے کی تیاری میں آخری بات کے طور پہ سادگی سے بولی، کیا ہی اچھا ہوتا اگر ایسکیپ پلان کامیاب ہو جاتی۔"

"یس،" کسی نے کہا۔ "وڈنٹ اِٹ بی نائس؟"

"بلڈی اِنفارمرز،" سلطان غصّے سے بولا۔

"ٹیک اِٹ ایزی اولڈ مین،" شعیب نے کہا۔"

"واٹ ڈویو مین ٹیک اِٹ ایزی۔ یو ور ناٹ دیئر۔"

"دِس از ناٹ فیئر، سلطان،" برکی نے کہا۔

"آئی ایم سوری،" سلطان نے کہا۔ آئی مِین کہ ٹریٹرز کی ہمارے ہاں کبھی بھی کمی نہیں رہی۔"

"اووو۔۔۔۔" دو تین آوازوں نے ناگواری کا اِظہار کیا۔

"آپ کو پتا ہے،" سلطان بولا۔ "کہ سکسٹی فائیو کی وار کے بعد جو جنرل ریٹائر ہُوئے تھے اُنہوں نے نوکریوں کے لئے درخواستیں دی تھیں؟ کیا آج آپ اِس کا تصور بھی کر سکتے ہیں کہ کوئی ریٹائیرڈ جنرل کسی بیوروکریٹ یا سیٹھ کے سامنے جاب اِنٹرویو کے لئے بیٹھا ہو گا؟ اُنہیں سب کچُھ دے دِلا کر کرپٹ کر دیا گیا ہے۔"

محفل پہ یکدم خاموشی چھا گئی۔ نوجوانوں نے سب سے پہلے بریگیڈیئر کرار کی جانب، پھر نسیمہ اَور اُس کے بعد سرفراز کی جانب دیکھا۔ حیرت انگیز طور پہ، بریگیڈیئر صاحب کی طرف سے کوئی متوقع ردِ عمل ظاہر نہ ہُوا۔ وہ کُرسی کے بازوؤں پہ ہاتھ رکھے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذرا سا جھک کر بیٹھے اَپنے پاؤں کی جانب دیکھ رہے تھے۔ چند لحظے اُسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد اُنہوں نے تاسف سے دوبار دائیں بائیں سر ہلایا، پھر اُٹھ کھڑے ہُوئے اَور مُڑ کر گھر کے اَندر چلے گئے۔ اُن کے ساتھ ہی نسیمہ بھی اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ "بھئی کھانا لگ گیا ہے،" وہ ہَولے سے بولی۔

سب لوگ ڈرائینگ روم سے اُٹھ کر کھانے کے کمرے میں داخل ہُوئے۔ میز کے گرد بیٹھ کر سب نے خاموشی میں کھانا کھایا۔ بریگیڈیئر صاحب نے سوپ کے ساتھ چند خُشک بسکٹ کھائے اَور معذرت کر کے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

"بھئی جوان لوگوں کا ساتھ دینے کا اَپنے میں دم نہیں رہا۔" اُنہوں نے پہلی بار ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں تو سونے چلا۔"

"قہوہ؟ کافی؟" نسیمہ نے پُوچھا۔

"قہوہ۔"

قہوے کی پیالیوں کے ساتھ سگریٹ سلگائے گئے اَور ہَولے ہولے باتیں شرُوع ہو ئیں، جو جلد ہی ختم ہو گئیں۔ یُوں لگتا تھا جیسے سب لوگ جذباتی طور پر تھک چکے ہوں۔ پھر برآمدے میں رُک کر کچُھ دیر تک مختصر گفتگو ہُوئی اَور ایک ایک کر کے سب نے جانے کی اجازت چاہی۔ رُخصت کے وقت گرمجوشی اَور ہنسی کی ہلکی سی لہر پیدا ہُوئی۔ "آئی ایم سوری، شعیب،" سلطان نے کہا۔ "آئی شڈنٹ ہیو سیڈ دَیٹ۔ اِٹ واز اَن فیئر۔"

"ٹیک اِٹ ایزی اولڈ مین،" شعیب نے اَپنا جملہ دُہرایا۔

دونوں ہنس پڑے۔

پھر سرفراز، شعیب اَور نسیمہ اکیلے رہ گئے۔ اُنہوں نے ایک دُوسرے کی جانب دیکھا، کوئی بات کرنے کا ارادہ کیا، پھر شعیب نے خاموشی سے ہنس کر سر دائیں اور بائیں کو ہلایا، جیسے محفل کی کارروائی پہ متحیر ہو رہا ہو، اَور کچُھ کہے بغیر اَپنے کمرے میں چلا گیا۔

سرفراز اَور نسیمہ برآمدے میں رُکے باہر رات کی تاریکی میں دیکھتے رہے۔

"سری،" پھر نسیمہ بولی۔ "تُم نے مجُھے خط میں لکھا تھا؟"

"کیا؟"

"یہ سب کچُھ جو تم نے بتایا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں۔"

"پین کے اُلٹے سرے سے؟"

"ہاں۔"

"سچ؟"

"سچ نہیں تو کیا جھوٹ؟"

"لفظ کیسے دکھائی دیتے تھے؟"

"جہاں پہ ہم تھے وہائی دکھائی دیتے تھے۔ وہاں مجُھے تم بھی دکھائی دیتی تھیں۔"

"جاؤ، میں نہیں مانتی۔"

"سچ کہہ رہا ہوں۔"

"کیسے؟"

"کیا مطلب؟"

"تُم مجُھے کس شکل میں دیکھتے تھے؟"

"میں تُمہیں اَپنے لان کی ایک کیاری میں گوڈی کرتے ہُوئے دیکھتا تھا۔"

"اور؟"

"تُم پاؤں کے بل بیٹھی ہوتی تھیں اَور تُمہارے نیچے کھُمبیاں اُگ رہی ہوتی تھیں،" سرفراز شرارت سے بولا۔

نسیمہ کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ "جھوٹ،" وہ بولی اَور مُنہ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ مگر سرفراز کا خیال اِس وقت نسیمہ سے اَور اِن باتوں سے دُور تھا۔ اُسے رہ رہ کے سوچ آ رہی تھی کہ شاید سلطان کا خُون بھی خراب ہو چُکا تھا۔ اُس کے دِل میں اِس وقت سلطان کے لئے، اَپنے لئے، اَور دُوسرے کئی ساتھیوں کے لئے جنہیں وہ جانتا بھی نہ تھا، گہرے رنج کا احساس تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک جہانگیر اَپنی بات کا پکا نِکلا۔ اُس نے اَپنے ڈیرے پر شامیانہ نصب کروا کر چاروں طرف دو دو سو پاور کے بلب لگائے تھے جن کی روشنی میں رات کے اَندر دِن چڑھا ہُوا معلوم ہوتا تھا۔ دیسی بکرے ذبح کروا کر گوشت والے چاولوں کی دیگیں چڑھائی گئی تھیں جن کی خُوشبو دُور سے سونگھی جا سکتی تھی۔ ڈیرے کی چار دِیواری کے باہر کئی چوڑی چوڑی چارپائیاں بچھی تھیں جن پر ڈھول باجے والے اَور گاؤں بھر کے کمی کمین بیٹھے حقے گڑگڑا رہے تھے۔ ایک دیوار کی اوٹ میں دم پخت دیگیں، اینٹوں کے سہارے پہ کھڑی، جھلملاتے ہُوئے گرم کوئلوں کی حدت میں اَندر ہی اَندر پک رہی تھیں۔ اُن کے مُنہ پہ رکھی کنالیاں معائینے کی خاطر ایک لحظے کو اُٹھائی جاتیں تو لونگ اَور دار چینی ملی باسمتی کی خُوشبودار بھاپ کے بھبکے خارج ہوتے جو پکانے والے نائیوں کے چہروں پہ یُوں حملہ آور ہوتے جیسے اژدہوں کی آتشیں سانسیں، اُن کے سامنے پسینے اَور طمانیت سے دمکتے ہوئے چہرے یکدم پیچھے کو جھٹک جاتے، جیسے کسی نے ٹھوڑی کے نیچے اچانک گھونسہ جما دیا ہو۔ پکانے والے بھاپ سے بچنے کے لئے آنکھیں سکیڑے، کمر ٹیڑھی کر کے، کفگیر کی مدد سے چاولوں کے چند دانے نکالتے، اُن کو اُنگلیوں میں مسل کر دیکھتے، اَور کنالیوں کو واپس دیگوں کے مُنہ پہ رکھ کر دوبارہ اُنہیں دم پر لگا دیتے۔ ڈیرے کے احاطے میں شامیانے کے نیچے پچیس تیس کُرسیاں رکھی تھیں جن میں سے چند ایک پہ کچھ ادھیڑ عمر، خُوش لباس، مرد بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے سروں پہ کلاہ اَور شملا والی کلف لگی پگڑیاں اَور قراقلی کی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ یہ گاؤں اَور نواح کے معززین تھے جن میں زیادہ تر اعوان برادری کے لوگ تھے۔ باقی کی کُرسیوں پہ چھوٹے بڑے بچے، شوخ رنگ کپڑے پہنے، کود پھاند کر رہے تھے۔ کُرسیوں کے آگے زمین پر دریاں بچھی تھیں، جن پہ سفید تہمدوں اَور بڑی بڑی بلدار پگڑیوں والے کسان اَور چھوٹے زمیندار، دو دو، چار چار کی ٹولیوں میں بیٹھے حقوں کے کش لگا رہے تھے۔ کام کاج کرنے والے اُن کے درمیان، اَندر اور باہر آ جا رہے تھے۔ ایک کونے میں جلتے ہُوئے اُپلوں کا ڈھیر، راکھ کی تہہ کے اندر اَپنی آگ کو پیٹ میں بھرے آہستہ آہستہ سلگ رہا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے زمیندار کے ساتھ اُن کے اَپنے اپنے کمی تھے جن کو وہ تہمدوں کی ڈب سے اَپنا پسندیدہ تمباکو نکال کر دیتے۔ کمی تمباکو کو ہتھیلیوں میں مِل مل کر تیار کرتے اَور بجھتی ہُوئی چلموں کو اُپلوں کے ڈھیر تک لے جاتے۔ وہاں پہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک کونے پہ پھُونک کر راکھ کی تہہ کو اُڑاتے اَور ننگے ہاتھوں سے دھکتے ہُوئے اُپلے کو چلم پر جما دیتے تھے۔ تازہ چلم کا کش لگانے والے کے حلق میں کھانسی کا گہرا مگر مختصر دورہ اُٹھتا اَور دوسرے تعریفانہ نظروں سے اُسے دیکھتے۔

"چوہدری کا تماکو علاقے میں نمبر ایک پر ہے،" کوئی کہتا۔

"زمین کی خصلت ہے بھائی،" دُوسرا بولتا۔

"ٹھیک ہے، زمین کی لیاکت اَپنی جگہ پر، پر بی بھی تو نیاب ہے۔"

"ساری مقدر کی بات ہے جی۔ نہ زمین نہ پانی نہ بی۔ مقدر ساتھ نہ دے تو تگڑی سے تگڑی زمین بی مار دیتی ہے۔"

"بس یہ اصل بات کی ہے تو نے ملک، سارا کسمت کا کھیل ہے۔ یاد نہیں ملک الہ یار نے پشور سے مٹی کے ٹرک اَور بی منگایا تھا؟ پر اُس کی کسمت اُس کے ساتھ نہیں چلی۔" ایک کے بعد ایک بات کو چلائے جاتا اَور دُنیا بھر کے تمباکوؤں کی قسمیں، اُن کے بیجوں، بھاؤ اَور علاقوں کی مٹی تک کا ذکر ہوتا۔ جو کچھ کسی کے علم میں ہوتا وہ بتائے جاتا۔ ملک جہانگیر نے قریب قریب ساری اعوان برادری اَور سرفراز کے آدھے گاؤں کو مدعو کیا تھا۔ لوگ آتے جا رہے تھے۔ جو آتا وہ اَپنے جاننے والوں سے حسب تعلق مصافحہ کرتا یا بغل گیر ہوتا، پھر چاروں جانب نظر دوڑا کر اَپنی مرضی کی جگہ پر جا بیٹھتا۔ احاطے کے دروازے کے اَندر سب سے پہلے ایک بید کے بنے ہُوئے صوفے پر، جس پہ مخملیں گدّیاں رکھی تھیں، جہانگیر بیٹھا تھا۔ اَپنی کمزوری کے پیش نظر وہ ہر آنے والے سے بیٹھا بیٹھا آگے جھک کر مصافحہ کرتا اَور ہاتھ کے اِشارے سے پنڈال میں بیٹھنے کی دعوت دیتا، کئی لوگ اُس کے پاس چند مِنٹ رُک کر حال احوال پُوچھتے اور آگے چلے جاتے۔ اُس سے چند قدم کے فاصلے پر عالمگیر سفید شلوار قمیض اَور سیاہ شیروانی پہنے کرسی پہ بیٹھا تھا۔ وہ ہر نئے آنے والے سے اُٹھ کر ملتا، حال پُوچھا اَور ساتھ چل کر جائے نشست تک پہنچاتا۔ مجمعے میں لوگوں کی باتوں کی بھنبھناہٹ تھی۔ کہیں کہیں پہ کسی وقت کوئی متنازعہ مسئلہ چھڑ جاتا تو آوازیں بلند ہو جاتیں اَور لوگ لحظہ بھر کو سَر موڑ کر اُس طرف دیکھنے لگتے۔ آوازیں دبنے لگتیں تو سب اَپنی اپنی باتوں میں دوبارہ مشغول ہو جاتے۔ شادی بیاہ کا سا سماں تھا۔ مدعوئین میں صرف اعجاز کے کنبے کی عورتوں کو دعوت دی گئی تھی۔ ڈیرے سے کچھ فاصلے پر گھر تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں عورتوں کا انتظام کیا گیا تھا۔

سرفراز پانچ چھ روز سے گھر پہ تھا۔ چاچا احمد، ماسی اَور جمیلہ بھی آ پہنچے تھے۔ جمیلہ کی منگنی پانچ سال پہلے بیاسی کے راٹھوروں میں ہُوئی تھی اَور چند ماہ کے اندر شادی ہونے والی تھی کہ لڑکا مقامی جھگڑوں میں اُلجھ کر پہلے قید میں چلا گیا، جب دو برس بھگت کے آیا تو قتل ہو گیا تھا۔ تین سال مزید گزر گئے۔ جمیلہ چوبیس برس کی ہونے کو آئی تھی، مگر کوئی مناسب رشتہ دستیاب نہ ہو سکا تھا۔ اب جا کر دوبارہ اُس کی شادی کی بات چل چکی تھی۔ چاچے احمد کے ماموں زاد بھائی کا بیٹا نہروں کے محکمے میں اوورسیئر تھا۔ کچھ دیر پہلے اُس کی بیوی، جس کے ساتھ بچپن سے ہی اُس کی منگنی ہو چکی تھی، شادی کے دس ماہ بعد زچگی کی حالت میں فوت ہو گئی تھی۔ حال ہی میں اُس لڑکے کے ساتھ جمیلہ کی بات پکی ہو گئی تھی اَور شادی کے لئے کھلے موسم کا اِنتظار تھا۔ پانچ سال کے عرصے کے بعد جمیلہ پر دوبارہ رنگ آیا تھا۔ اسی دوران میں اُس نے نورپور کے سکول سے میٹرک پاس کر لیا تھا۔

عباس کو چھٹی نہ مِل سکی تھی۔

"شہر میں اُس کی کسی گورنر کے ساتھ ڈیٹی لگی ہُوئی ہے،" چاچے احمد نے فخر سے بتایا۔

سرفراز سارا دن اَور رات گئے تک چارپائی پہ لیٹا گھر والوں سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ "جیلو، میں تین دن سے تجھے کہہ رہا ہوں ایک سویٹر بُن دے۔ تُو تو کسی بھی کام کی نہیں۔ تیرا اوورسیئر تجھے اَپنی نہر میں ڈبو دے گا۔"

"کل میں نے لالے سے کہا تھا شہر سے سفید اُون خرید کر لا دے۔ بے شک پُوچھ لو۔" جمیلہ نے جواب دیا۔

"لالے سے کیا پُوچھتے ہو، تیرے لالے کو نہ اَپنی ہوش نہ گھر بار کی،" سکینہ بولی۔ "ایک کام سے خدا خدا کر کے چھٹکارا ہُوا تو دُوسرا گلے پڑ گیا۔ اب دُشمنوں نے مقدمے کر دیئے ہیں۔"

"بی بی، لالے کی مرضی کا کام ہے،" سرفراز نے کہا، "دنیا کے کام تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ مقدمے ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا۔ لالہ سُرخرو ہو گا، دیکھ لینا۔"

"اِسے تو اَپنی دال روٹی کی فکر لگی رہتی ہے،" اعجاز بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لالہ، دال روٹی کی یاد نہ دلاؤ،" سرفراز نے برا سا مُنہ بنا کر کہا، "میں نے عمر بھر کی دال روٹی ایک ہی دفعہ کھالی ہے۔ اب مجھے دال کہیں دِکھائی دی تو اُٹھ کر بھاگ جاؤں گا۔"

"اللہ رحم کرے سرفرازے، تیرے سامنے روز مرغی رکھوں گی،" سکینہ نے کہا۔

"بی بی میں سو بار کہہ چُکا ہوں مجھے اب سرفراز امت کہا کرو۔"

"اچھا اچھا لفٹین صاب، سن لیا ہے۔"

"اُوں ہوں،" سرفراز نے نفی میں سر ہلایا۔

"سرفراز اب کپتان ہو گیا ہے، بیوقوف۔ تیرے مُنہ پر چڑھا ہُوا لفظ اُترتا ہی نہیں۔" اعجاز نے کہا۔

"کپتان ہو لفٹین ہو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہے تو افسر ناء۔"

"بڑا فرق پڑتا ہے،" اعجاز بولا۔ "اب لفٹین اِسے سلام کرتے ہیں۔"

"سلام کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ تنخواہ بھی زیادہ ہُوئی کہ نہیں؟"

"ہوئی ہے۔" سرفراز نے جواب دیا۔

"چلو کچھ تو ہوا،" سکینہ نے کہا۔ "اللہ خیر کرے۔ کسی دن ہمارا باسا بھی تھانیدار ہو جائے گا۔"

"اِنشاء اللہ،" چاچا احمد بولا، "اِنشاہ اللہ۔ گورنروں وزیروں کے ساتھ اُس کی ڈپٹیاں لگتی ہیں۔ سارے ممبر اُس کے واقف کار ہیں۔ ہو گا کیوں نہیں۔ اَنشاء اللہ ہو گا۔"

ایسی ہی باتیں کرتے کرتے رات ہو جاتی۔ ایک زمانہ تھا کہ سرفراز اِن باتوں کو وقت کا زیاں ٹھہراتا تھا۔ مگر قید سے واپس آنے کے بعد اُسے سب سے زیادہ راحت اِس ماحول اور اِن چھوٹی چھوٹی باتوں سے حاصل ہُوئی تھی۔ اِس حقیقت سے وہ پہلی بار آشنا ہُوا تھا کہ اَپنے گھر کی یہ باتیں زندگی کی ایسی مرہمیں تھیں جو کلفتوں کو زائل کرتی تھیں۔

سرفراز نے اَپنی سی کوشش کی کہ وہ ملک جہانگیر کی دعوت گول کر جائے۔ مگر اعجاز بضد تھا کہ اُس نے دعوت قبول کرلی ہُوئی ہے، اَور کہ جہانگیر نے محض سرفراز کی خاطر اِتنی بڑی تقریب منعقد کرکے اُن کی بے حد عزت افزائی کی ہے۔ اصل اشتیاق سکینہ کو تھا۔ اُس نے صبح سے اَپنا سائن کا جوڑا اِستری کرکے بستر پر پھیلا دیا ہُوا تھا۔ جو بھی اُس کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں جاتا، سکینہ اُسے سختی سے تنبیہہ کرتی، "بستر پر میرے کپڑے پڑے ہیں۔ اُنہیں خراب نہ کرنا۔" حسن ہو یا حسین ہو، جمیلہ ہو یا ماسی یا اعجاز ہی ہو، وہ کسی کو ہدایت کرنے سے نہ چوکتی۔ ایک بار سرفراز کسی کام سے اُس کمرے میں جانے لگا تو اُسے بھی یہی سننا پڑا۔

"بی بی، سویرے سے تیرے کپڑے سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ میں تو دیکھنے جا رہا ہوں یہ کیسے کپڑے ہیں۔"

"ہائے تو نے دیکھے نہیں؟ تیری منگنی پر پہلی دفعہ پہن کر گئی تھی۔ اُس دِن کے بعد آج نکالے ہیں۔"

"منگنی پر تو گئی تھی بی بی،" سرفراز سنجیدہ شکل بنا کر بولا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ لالہ تجھے لے کر ہی نہیں گیا تھا۔"

"واہ، تیرے لالے کی مجال تھی جو لے کر نہ جاتا۔"

سکینہ کے کپڑوں کا دِن بھر چرچا رہا۔ اب شام ہونے والی تھی۔ جانے کا وقت قریب تھا۔ سکینہ تندہی سے اَپنا کالا برقعہ استری کر رہی تھی۔ سب چھوٹے بڑے اَپنے بہترین کپڑے پہن کر تیار ہو رہے تھے۔ اعجاز نے اَپنے دوست فضل اللہ گڑ کے آڑھتی سے اُس کی گاڑی مانگی تھی۔ یہ ایک پرانے ماڈل کی فورڈ سٹیشن ویگن تھی جس کے دروازوں پر باہر کی جانب اخروٹ کی لکڑی کے چوکھٹے جڑے تھے۔ گاڑی معہ ڈرائیور گلی کے سرے پر آ کر کھڑی تھی۔ اعجاز نے حسن کے ہاتھ ڈرائیور کو دودھ پتی کی چائے اَور سگریٹ کی ڈبی بھیج دی تھی۔ مغرب کی اذان سے کچھ دیر بعد سکینہ اَور جمیلہ اَپنے چمکدار سائن کے سوٹ اَور لال گرگابیاں پہن کر تیار ہو گئیں۔

"جیلو، آج تیرے اُوپر بڑا روپ چڑھا ہے،" سرفراز نے کہا۔ "چادر کو لپیٹ لے، تجھے کوئی اُٹھا کر نہ لے جائے۔"

"ہائے سرفرازے ایسی بات نہ کر،" سکینہ بولی، "میری بہن تو لاکھوں میں ایک ہے۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔ کوئی اِسے دیکھ کر لے جائے تو بیاہ کے خرچے کے بغیر ہی خلاصی ہو جائے گی۔" جمیلہ نے شرما کر پہلے سے لپٹی ہُوئی گرم چادر کو مزید سر کے اُوپر کھینچ لیا۔ سکینہ نے کالا ریشمی برقعہ پہنا اَور نقاب اُلٹ کر دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم سب گاڑی میں چلو،" اعجاز نے سفر کی ہدایت دی، "میں پیچھے موٹر سائیکل پر آتا ہوں۔"

"ابا، میں تمہارے ساتھ جاؤں گا،" حسین نے ضد کی۔

"آجاؤ،" آخر اعجاز نے کہا۔

اپنی عورتوں کے زرق برق لباس، اُن کی اچھی شکلیں اور چہکتی ہوئی آوازیں سن کر سرفراز کی طبیعت بحال ہو چکی تھی۔ وہ گھر سے نکلنے پر آخرکار خوش تھا۔

ملک جہانگیر سرفراز کی صورت دیکھ کر چونک پڑا اور لحظہ بھر کو اُسے دیکھتا رہا۔ مگر اُس سے زیادہ حیرانی سرفراز کو جہانگیر کی حالت دیکھ کر ہوئی۔ وہ اِتنا کمزور ہو چکا تھا کہ پہچانا بھی نہ جاتا تھا۔ آخر جہانگیر اپنے صوفے سے اُٹھا۔ جیسے ہی وہ سرفراز اور اعجاز کو گلے لگا کر ملا، باہر میراثیوں نے ڈھول پر تھاپ دی۔ ایک نوکر جہانگیر کے اِشارے پر ڈیرے کے اندر سے گیندے کے پھولوں کے ہار لئے نمودار ہوا۔ سرفراز نے ہار پہننے سے ہچکچاہٹ ظاہر کی تو جہانگیر بولا،

"سرفراز، تو ہماری قوم کا ہیرو ہے۔ تو نے ہماری سربلندی کی ہے۔ یہ تو گُنے کے پھول ہیں، تیرے لئے تو نوٹوں کے ہار بھی کم ہیں۔ یہ لے، پہن۔" اُس نے نوکر کے ہاتھ سے ہار لے کر سرفراز کے گلے میں پہنائے۔ پھر وہ نوکر سے بولا، "اب ہمارے دوسرے ہیرو کے گلے میں بھی ہار ڈال۔ تجھے پتا چل ہی گیا ہو گا سرفراز، تیرا بھائی تیرے پیچھے نامور جرنلسٹ بن گیا ہے۔"

"لالے نے نہیں بتایا، مگر مجھے پتا چل گیا تھا،" سرفراز نے کہا۔ "میں نے اِس کی رپورٹیں بھی پڑھی ہیں۔"

"بھئی بریگیڈیئر صاحب اور اُن کے بیٹے ایس۔پی صاحب کیوں تشریف نہیں لائے؟ میں نے خاص آدمی کے ہاتھ رقعہ بھیجا تھا۔"

"شعیب کو چھٹی نہیں مِل سکی، اور بریگیڈیئر صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ اُنہوں نے ایک آدمی کے ذریعے معذرت بھیجی ہے۔ میں کل سویرے اُنہیں دیکھنے کے لئے جاؤں گا۔"

"آؤ بھئی عالمگیر، کیپٹن سرفراز سے ملو،" جہانگیر نے بیٹے کو بلایا۔ "سرفراز تم اِس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ملے ہُوئے تو ہو۔ اب بی۔اے کا امتحان دے کر آیا ہے۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں،" سرفراز نے گرمجوشی سے عالمگیر کے ساتھ مصافحہ کیا۔ "حالانکہ یہ مجھ سے تین چار سال چھوٹا ہے، مگر ہم ایک آدھ مرتبہ اِکٹھے کھیلتے بھی رہے ہیں۔ یہ دیر کی بات ہے۔ میرے خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ اِتنا بڑا ہو گیا ہو گا۔"

دونوں ہنسنے لگے۔

"اِمتحان کیسے رہے؟" سرفراز نے پُوچھا۔

"ٹھیک ہی ہو گئے ہیں۔"

"پاس ہو جاؤ گے؟" سرفراز نے ہنس کر پُوچھا۔

"اُمید تو ہے جی۔" عالمگیر نے جواب دیا۔

"آؤ، میرے پاس بیٹھو،" جہانگیر نے سرفراز کے بازو پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔ ایک وقت تھا میں دس دس پندرہ پندرہ کوس پیدل چلا جاتا تھا۔ ملک اعجاز نے میرا وقت دیکھا ہے۔ اب مجھ سے پانچ مِنٹ کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ آؤ بیٹھو۔"

سرفراز صوفے پر جہانگیر کے ایک جانب بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اُس نے ہار گلے سے اُتار کر صوفے کے بازو پر لٹکا دیئے۔ دُوسری طرف اعجاز ہار پہنے پہنے فخر سے بیٹھا رہا۔ کچھ دیر پہلے جب یہ خاندان وہاں پہنچا تھا تو ایک نوکر جھپٹ کر آگے بڑھا اور خواتین کو ہمراہ لے کر گھر کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔ چاچے احمد نے آ کر دونوں ہاتھوں سے جہانگیر کے ساتھ مصافحہ کیا۔

"کیا حال ہیں احمد خاں،" جہانگیر نے پُوچھا۔ "پُلسیا کدھر ہے۔ وہ کیوں نہیں آیا؟"

"اُس کی گورنر کے ساتھ ڈیٹی لگی ہُوئی ہے،" چاچے احمد نے کہا۔ "دِن رات کا ملازم ہے۔ آپ کو پتا ہی ہے۔ چھٹی نہیں ملتی۔"

"واہ بئی مبارک ہو۔ اب تو وہ بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہو گا۔"

"اللہ کی دین اَور آپ کی دعا ہے ملک صاب۔ سارے ممبر شمبر اُس کے واقف کار ہیں۔"

"بس، پھر سمجھو اس کی ترقی سمجھو کہ ہو گئی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اِنشاءَ اللہ۔"

"آپ کی صحت اَب کیسی ہے؟" سرفراز نے جھجکتے ہُوئے پُوچھا۔

"تُم دیکھ ہی رہے ہو سرفراز۔ ایک گردے پر گزُارا کر رہا ہوں۔ جب وہ بھی گیا تو سمجھو کہ میری جگہ اِس دُنیا سے ہٹ گئی۔"

سرفراز قریب سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے اَور ہاتھوں کی جلد ہڈیوں پہ یُوں کھنچی تھی جیسے کسی لکڑی کے بت پر باریک چمڑہ منڈھا ہو۔ مگر اُس کی رنگ لگی، لمبی لمبی سیاہ مونچھیں گھی سے چپڑے ہُوئے توے کی مانند چمک رہی تھیں۔ وہ دیکھنے میں خُود اپنے پچھلے جنم کا سایہ معلوم ہوتا تھا، مگر اُس کی آواز میں لرزش نہ آئی تھی۔ اُس کے ایک ایک اِشارے پہ لوگ اِدھر سے اُدھر حرکت میں آ رہے تھے۔ باہر ڈھول والے دھمادھم بجا رہے تھے اَور دو نوجوان کمر میں سُرخ لاچے اَور سَر پہ سبز پٹکے باندھے بازو ہوا میں اُٹھائے اُن کی تال پہ ناچ رہے تھے۔ اُن کے پیچھے رات کی سیاہی تھی اَور آگے بجلی کی روشنی، اَور اِن کے درمیان ناچنے والوں کے سُرخ اَور سبز رنگ پلو اِس سرعت سے لہرا رہے تھے جیسے آتشبازی کی لڑیاں ہوں۔ سب بچے احاطے سے نِکل کر اُن کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اَندر بیشتر لوگوں کے کان اِن پر ہی لگے تھے۔ صرف جہانگیر اُن کی جانب کوئی توجہ نہ دے رہا تھا۔

"تیری صحت بھی بگڑی ہُوئی ہے سرفراز،" اُس نے بات جاری رکھی، "مگر آپ لوگوں پر تو مصیبت نازل ہو گئی تھی۔ مین میڈ پرابلم،" وہ ہنسا۔ "میری گاڈ میڈ پرابلم ہے۔ اِس کا کوئی علاج نہیں۔ تم لوگ کھاؤ پیو گے، جوان آدمی ہو، چند روز میں جان بن جائے گی۔ میں نے اپنی زندگی اچھی گزُاری ہے، مجُھے خدا تعالیٰ سے کوئی شکایت نہیں۔ میرا بیٹا بہت شریف لڑکا ہے اَور لائق ہے۔ اب تُمہارا اَور اُس کا وقت ہے۔"

جہانگیر نے ہاتھ اُٹھا کر ڈھول والوں کو رُکنے اَور دُوسرے ہاتھ سے کھانا کھولنے کا اشارہ کیا۔ ڈھولچیوں نے دھم دھم کی آخری دُڑکی بجائی اَور ہاتھ روک لئے۔ کرسیوں پر بیٹھے ہُوئے لوگوں کے آگے چھوٹی چھوٹی، سٹول نما میزیں رکھ دی گئیں۔ ملک جہانگیر، سرفراز اَور اعجاز کے سامنے ایک لمبی سی نیچی میز بچھا دی گئی اَور سب سے پہلے کھانا اُس پہ سجایا گیا۔ پلاؤ اَور آلو گوشت کے سالن کی خُوشبو سے سارا پنڈال مہک اُٹھا۔ میز